## (۲)

# میں نے غیر مبائعین کے متعلق کوئی سخت کلمہ نہیں کہا

(فرمودہ ۱۸۔ جنوری ۱۹۲۹ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے اگست ۱۹۲۸ء میں جو خطبہ جمعہ پڑھا تھا اور جو الفضل میں شائع ہو چکا ہے اس میں اس اختلاف کے متعلق جو ہم میں اور غیر مبائعین کے گروہ میں پایا جاتا ہے ایک طریقِ فیصلہ بتایا تھا میں نے بیان کیا تھا کہ یہ جو اختلاف ہے کہ آپس کے سمجھوتہ اور عہد و پیمان کو کس فریق نے توڑا ہے۔ کون اس کی خلاف ورزی کرتا رہا ہے اور کون قطعی طور پر یا دوسرے کی نسبت زیادہ اس کا خیال رکھتا رہا ہے۔ اس کے فیصلہ کا ایک طریق یہ ہوسکتا ہے کہ وہی تین آدمی جنہوں نے اختلاف کے موقع پر اتحاد و اتفاق کی تحریک کی تھی ان کے ہی سپرد اس معاملہ کو کر دیا جائے اور وہ اس طرح کہ ان میں سے ایک صاحب چونکہ اب میری بیعت کر چکے ہیں اس لئے ایک اور ہماری طرف سے شامل کر کے دو شخص ہمارے اور دو ان کی طرف سے ہو جائیں۔ اس کے لئے جو چار آدمی میں نے تجویز کئے تھے وہ مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری اور سید عبدالجبار صاحب سابق بادشاہ سوات جنہوں نے آپس کے اختلاف کو ایک حد تک مٹانے کی بہت کوشش کی اُن کی طرف سے اور خان دلاور خان صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب ہماری طرف سے تھے۔ جس وقت معاہدہ کی تحریک ہوئی خان صاحب دلاور خان صاحب ان میں شامل تھے لیکن اس عرصہ میں وہ بیعت میں شامل ہو گئے اس لئے وہ اور میاں بشیر احمد صاحب ہماری طرف سے ہوں اور مولوی غلام حسن خان صاحب اور سید عبدالجبار صاحب اُن کی طرف سے ہوں۔ یہ چاروں جو فیصلہ کر

دیں اسے دونوں فریق منظور کرلیں اور ساتھ ہی میں نے اپنی طرف سے اس کی منظوری کا بھی اعلان کر دیا تھا۔ لیکن چونکہ مجھے خطرہ تھا کہ شاید مولوی محمد علی صاحب اس خیال سے کہ اگر اپنے ہی آدمیوں نے ہمارے خلاف فیصلہ کر دیا تو اس کا اثر بہت بُرا ہوگا اس تجویز کو منظور نہ کریں اس لئے میں نے دوسری تجویز یہ پیش کی تھی کہ اگر مولوی محمد علی صاحب کو یہ بورڈ منظور نہ ہو تو دوسرے لوگوں میں سے دو اصحاب لے لئے جائیں اور مثال کے طور پر میں نے سر عبدالقادر صاحب اور ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے نام پیش کئے تھے۔ میرے اس خطبہ کے جواب میں باوجود دوبارہ ایک خطبہ میں یاد دہانی کرانے کے بھی مولوی محمد علی صاحب نے کچھ نہیں کہا لیکن ایک اور غیر احمدی صاحب جو ہمارے صوبہ میں خاص امتیاز رکھتے ہیں ان کے ذریعہ سے ایک اور تحریک ہوگئی اور وہ اس طرح کہ مولوی محمد علی صاحب نے ان سے بیان کیا تھا کہ میرے خلاف جو پروپیگنڈا ہوا ہے اس میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس پر میں نے مولوی صاحب کا ایک مضمون انہیں بھجوایا اور انہیں لکھا کہ وہ مولوی صاحب سے دریافت کریں کہ آیا ان کے اس مضمون کو معقول کہا جا سکتا ہے؟ جب انہوں نے مولوی صاحب کو اس کے متعلق ذکر کرنے کے لئے بُلوایا تو مولوی صاحب نے انہیں یہ جواب دیا کہ میں اُس وقت تک اس کا کوئی جواب نہیں دوں گا جب تک آپ پورا پورا فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور کوئی اور شخص بھی اِس کام میں آپ کے ساتھ نہ ہو۔ انہوں نے مولوی صاحب کے اس جواب سے مجھے اطلاع دی اور ساتھ ہی لکھا کہ میرے لئے یہ کام مناسب نہ ہوگا اور نیم سرکاری حیثیت رکھنے کے سبب سے میں اسے سرانجام نہ دے سکوں گا۔ لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد خود ہی انہوں نے یہ تحریک کی کہ بجائے انتظار کرنے کے اور دو آدمیوں کو مقرر کرنے کے بہتر ہوگا کہ ایک ہی دیانتدار شخص کو مقرر کر دیا جائے جو وقت دے سکے اور اپنی طرف سے انہوں نے آغا محمد صفدر صاحب سیالکوٹی کا نام پیش کیا جو اِن دنوں لاہور میونسپلٹی میں کام کرتے ہیں اور خلافتیوں کے مشہور لیڈر رہ چکے ہیں اور لکھا کہ اگر دونوں فریق اس معاملہ کو ان پر چھوڑ دیں تو کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ وہ ایک دیانت دار آدمی ہیں۔ آغا محمد صفدر صاحب بوجہ خلافتی لیڈر رہونے کے سخت عدمِ تعاونی رہے ہیں اور اِس سلسلہ میں انہوں نے بڑی بڑی قربانیاں بھی کیں، قید بھی ہوئے اور کئی ایک دیگر مصائب برداشت کئے۔ اور چونکہ ہم نے شدت سے اس تحریک کی مخالفت کی تھی اور پورے زور کے

ساتھ اس پالیسی کے خلاف آواز اُٹھائی تھی بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بحیثیت جماعت اس تحریک کی مخالفت کرنے والی ہندوستان بھر میں صرف ہماری ہی جماعت تھی اس لئے قدرتی طور پر یہ خیال میرے دل میں آ سکتا تھا کہ ممکن ہے آغا صاحب کو ہم سے عِناد ہو اس لئے وہ اس کام کے لئے مناسب نہیں۔ لیکن جب ان کا نام میرے سامنے پیش کیا گیا اور مجھے بتایا گیا کہ وہ دیانت دار آدمی ہیں تو میں نے کہا یہ کوئی دینی معاملہ تو ہے نہیں دینی معاملہ تو ہم تمام دنیا کے سامنے بھی فیصلہ کے لئے پیش کرنے کو تیار نہیں جیسے وفاتِ مسیح، صداقت مسیح موعود یا خلافت کے مسائل ہیں۔ یہاں تو معمولی بات ہے کہ کس نے معاہدہ کی پابندی کی اور کس نے اسے توڑا؟ اور ظاہر ہے کہ ایسی باتوں کا مذہبی عقائد یا نظامِ سلسلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے لین دین کے جھگڑے عام طور پر ثالثوں کے ذریعہ طے پاتے ہیں اور چونکہ آغا صاحب کے متعلق ان کے بعض دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہ دیانتدار آدمی ہیں اس لئے میں نے کہا کہ اس معمولی معاملہ میں ہم انہیں فیصلہ کرنے کے لئے ثالث مقرر کر سکتے ہیں اور میں نے اس شخص سے جو میرے پاس یہ پیغام لایا تھا کہہ دیا کہ مجھے یہ منظور ہے۔ چنانچہ اب لاہور جانے پر مجھے معلوم ہوا کہ اِن صاحب نے دوسرے فریق سے بھی اس بارہ میں گفتگو کر لی ہے اور اس نے بھی آغا صاحب کے تقرر پر اظہارِ رضامندی کیا ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے متعلق دوبارہ جماعت کو آگاہ کر دوں۔ ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ ایک مذہبی معاملہ میں ثالث کا کیا تعلق؟ میں بھی کہتا ہوں بے شک یہ صحیح ہے۔ مذہبی مسئلہ میں تو خواہ وہ رفع یدین یا اس سے بھی معمولی ہو ہم تمام دنیا کے عقلمندوں کو بھی ثالث مقرر نہیں کر سکتے۔ مذہبی مسائل خدا تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور وہی ان کا فیصلہ کر سکتا ہے یا اس کے دیئے ہوئے اختیارات سے اس کے رسول فیصلہ کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ آپس کے جھگڑے اور باہمی تنازعات سے تعلق رکھتا ہے اور ایسا معاملہ ہے جسے عدالت میں بھی لے جایا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے معاملات میں اگر کوئی شخص آپس کے فیصلہ کو نہ مانے تو عدالت کا فیصلہ تو اسے ضرور ہی ماننا پڑتا ہے اس لئے اسے بذریعہ ثالث طے کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایسے امور میں جن کا تعلق دین سے نہ تھا ثالث مقرر کرنے کا اعلان کیا اسی طرح یہ معاملہ بھی دنیوی امور سے ہی تعلق رکھتا ہے کہ معاہدہ کے بعد ہماری طرف سے زیادتی ہوئی یا ان کی طرف سے۔

اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی اعلان کیا تھا اگر ثالث یہ فیصلہ کردے کہ میری طرف سے زیادتی ہوئی نہ کہ مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے تو میں شرح صدر سے معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں۔ کیونکہ اپنی غلطی کا اعتراف بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور اسی طرح میں اپنی جماعت کا بھی ذمہ دار ہوں۔ عَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس مولوی محمد علی صاحب کو بھی اس کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ اگر ان کے خلاف فیصلہ ہو تو معافی مانگیں۔ میں تو خلیفہ ہوں اور ان کی پوزیشن صرف ایک پریذیڈنٹ کی ہے۔ اگر میں خلیفہ ہو کر اپنے خلاف فیصلہ کو خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو ماننے کے لئے تیار ہوں کیونکہ یہ کوئی مذہبی مسئلہ نہیں تو انہیں بھی اسے تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے اور اگر ثالث فیصلہ کرے کہ انہوں نے زیادتی کی ہے تو اپنی غلطی کا اعتراف کر کے عَلَی الْاِعْلَان معافی مانگنی چاہئے۔

میرا خیال ہے کہ اگر ایک دفعہ اس طرح صحیح فیصلہ ہو جائے میرا یہ مطلب نہیں کہ ثالث بددیانتی کرے گا بلکہ صرف یہ مقصد ہے کہ اُس سے بھی غلطی کا امکان ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر صحیح فیصلہ ہو جائے تو یہ بات آئندہ اتحاد کے لئے بہت مفید ہوگی اور کوئی تعجب نہیں کہ آئندہ مذہبی اتحاد کی بھی کوئی صورت پیدا ہو جائے کیونکہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے سے انسان کے لئے راستی اور صداقت کو تسلیم کر لینا آسان تر ہو جاتا ہے۔ اس فیصلہ کے لئے میں نے جو شرائط پیش کی تھیں وہ یہ تھیں کہ جس تاریخ سے معاہدہ کا اعلان ہوا اُس سے لیکر اس تاریخ تک کہ میں نے یہ دیکھ کر کہ فریق ثانی نے معاہدہ کا کوئی احترام نہیں کیا اس کی منسوخی کا اعلان کر دیا[۴] اِس عرصہ کے تمام حالات کا مطالعہ کر کے ثالث کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس عرصہ میں شائع شدہ تحریروں یا تقریروں میں میری طرف سے زیادتی ہوئی یا مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے۔ اگر وہ یہ فیصلہ کرے کہ زیادتی میری طرف سے ہوئی تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کروں گا اور ان لوگوں کو جو تکلیف پہنچی اس کے لئے ان سے معافی مانگوں گا۔ اسی طرح اگر مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے زیادتی ثابت ہو تو وہ معافی مانگیں اسی طرح اخبارات کے متعلق فیصلہ ہو کہ کس نے زیادتی کی اگر ثابت ہو جائے کہ الفضل نے اس معاہدہ کو توڑا تو الفضل معافی کا اعلان کرے اور اگر یہ ثابت ہو کہ پیغام صلح نے اس کی خلاف ورزی کی تو وہ معافی مانگے اور اگر کسی فرد کی طرف سے معاہدہ کا توڑنا ثابت ہو تو اس سے معافی کا اعلان کرایا جائے۔ درحقیقت کسی انسان کا دل دُکھانا ایک بہت بڑا جرم ہے اور

رسول کریم ﷺ نے بھی ایسے معاملہ میں معافی مانگنے سے پرہیز نہیں کیا۔ جب آپ فوت ہونے لگے تو صحابہؓ سے فرمایا اگر کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اسے چاہئے کہ یہیں بدلہ لے لے[1] غور کرو یہ کتنی بڑی قربانی ہے۔ آپ خاتم النّبیّن تھے اور آپ کی وہ شان تھی کہ صحابہؓ آپ کے ایک ایک لفظ کو خدا تعالیٰ کے تصرف کے ماتحت سمجھتے تھے۔ پس اگر رسول کریم ﷺ ایسا انسان اس علوِ شان کے باوجود اس امر کے لئے تیار رہتا ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم لوگ اس کے لئے تیار نہ ہوں۔

میں نے بارہا اپنے نفس کے ہر گوشہ میں تلاش کیا اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب سے میں خلافت پر متمکن ہوا جانتے بوجھتے نہ پبلک میں اور نہ پرائیوٹ مجالس میں، نہ تحریر میں اور نہ تقریر میں، مَیں نے ان لوگوں کے متعلق کبھی کوئی سخت کلمہ نہیں کہا بلکہ دوسروں نے بھی اگر کبھی سختی کی تو ان کو روکا ہے۔ پس میں خدا تعالیٰ کے سامنے تو بَری ہوں۔ وہ میرے اندرونہ اور باطن کو خوب جانتا ہے اور اُسی کو شاہد رکھ کر میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے دل میں نہ ظاہر میں، پبلک میں نہ پرائیوٹ مجلس میں کسی کے متعلق کبھی کوئی بُری بات نہیں کہی بلکہ میں تو اِن لوگوں کے لئے ہمیشہ دعائیں کرتا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ پس اگر خدا تعالیٰ کے سامنے اس یقینی براءت کے باوجود میں اس فیصلہ پر بھی جس کے غلط ہونے کا امکان ہوسکتا ہے معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ مولوی محمد علی صاحب کو اِس میں کوئی کلام ہو۔

چلتے ہوئے کسی کو ہماری ٹھوکر لگ جاتی ہے اور ہم اس وقت کیا آسانی سے کہہ دیتے ہیں معاف کیجئے۔ پس جب چلتے چلتے ہم ذرا سی ٹھوکر پر معافی مانگ لیتے ہیں۔ تو جب معافی مانگنے سے سینکڑوں لوگوں میں اختلاف مٹ سکتا ہو اس کے لئے ہم کیوں تیار نہ ہوں۔ میں نے رسول کریم ﷺ کی مثال دی ہے اور اپنی وفات کے موقع پر آپؐ نے فرمایا اگر کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو بتا دے اور بدلہ لے لے۔ اس پر ایک صحابی نے کہا۔ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے ایک تکلیف پہنچی ہوئی ہے اور میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ ایک جنگ کے موقع پر آپ لشکر کی صف بندی کر رہے تھے اور کسی ضرورت سے آپ کو صف چیر کر نکلنا پڑا اور آپ کی کُہنی مجھے لگی۔ وہ لوگ جنہیں رسول کریم ﷺ سے عشق تھا اور جن کے عشق کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ایک صحابی جنگِ اُحد میں بہت سخت زخمی ہوئے ان کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں اور ہڈیاں چُور چُور ہو

گئیں ان کا ایک رشتہ دار بہت تلاش کے بعد اُن تک پہنچا اس وقت ان کی زندگی کے صرف چند منٹ باقی تھے۔ رشتہ دار نے چاہا کہ ان کی زندگی کو بچانے کے لئے کچھ مدد کرے لیکن انہوں نے کہا کہ اب مدد کا موقع نہیں میرے پاس آؤ جب وہ پاس گیا تو اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ میں تمہارے ہاتھ کو رسول کریم ﷺ کا ہاتھ فرض کرتا ہوں اور اس سے مصافحہ کرتا ہوں تم رسول کریم ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دینا اور میں تم سے عہد لیتا ہوں کہ میرے تمام رشتہ داروں سے کہہ دینا میں مر رہا ہوں مگر دنیا کی سب سے قیمتی چیز یعنی محمد رسول اللہ کو تم میں چھوڑے جاتا ہوں۔ تمہیں خواہ کتنی ہی قربانیاں کرنی پڑیں کسی حالت میں بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑنا اور ہر طرح آپ کی حفاظت کرنا۔[2] ظاہر ہے کہ جب ایسے لوگوں نے اس صحابی کے منہ سے بدلہ لینے کے الفاظ سُنے ہونگے تو انہیں کس قدر جوش آیا ہوگا۔ اُن کی تلواریں میانوں سے تڑپ تڑپ کر باہر آ رہی ہونگی اور وہ چاہتے ہوں گے کہ اس کی بوٹی بوٹی اُڑا دیں مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا لو تم بھی مجھے کُہنی مارلو۔ اُس صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اُس وقت جب آپ کی کُہنی مجھے لگی میرا جسم ننگا تھا۔ اِس پر آپ نے اپنا کُرتا اٹھا کر اپنا جسم ننگا کر دیا۔ وہ صحابی جُھکا اور نہایت ادب سے اُس مقام پر بوسہ دیا اور کہا یا رسول اللہ! میں چاہتا تھا کہ اِس موقع سے فائدہ اٹھاؤں اور حضور کے مطہّر جسم کو بوسہ دے کر برکت حاصل کروں[3] لیکن یہ بات تو اس کے دل میں تھی رسول کریم ﷺ کو تو اس کا کوئی علم نہ تھا۔ آپ تو یہی سمجھتے تھے کہ یہ مجھے کُہنی مارنا چاہتا ہے اور آپ نے اسی لئے اپنا جسم بھی ننگا کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کسی ایسی بات کو قیامت پر اُٹھا رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں اگر ہمارے مخالفوں میں ایسا اخلاص بلکہ اس کا ہزارواں حصہ بھی موجود ہوتا تو یہ جھگڑا کبھی پیدا ہی نہ ہوتا اور اب بھی اگر وہ اس فیصلہ پر آمادہ ہو جائیں تو نیک نتیجہ کی امید ہوسکتی ہے۔ میں دوبارہ اعلان کرتا ہوں کہ مجھے یہ طریق فیصلہ منظور ہے۔ ہماری طرف سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وکیل ہونگے جو ہماری طرف سے سب باتیں پیش کریں گے۔ طریق فیصلہ یہی ہوگا کہ پہلے اس معاہدہ کے معنی کئے جائیں گے اور دیکھا جائے گا کہ مسائل پر بحث کس رنگ میں کرنی جائز تھی۔ یوں تو پہلے بھی مسائل پر ہی بحث ہوتی تھی۔ سوال یہ تھا کہ دوسرے کو ذلیل اور لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکانے کی کوشش نہ کی جائے اور یہ دیکھا جائے گا

کہ اس طرح کیا گیا یا نہیں۔ مسائل میں شرعی دلائل سے کام لیا گیا یا لوگوں کو اشتعال دلایا گیا۔ اور اس عرصہ میں جو بحث کی گئی وہ بھڑکانے کا پہلو رکھتی ہے یا نہیں۔ یہ اصل ہے جس کے ماتحت مسائل کی بحث دیکھی جائے گی۔ پہلے بحث کا یہی رنگ تھا جس کے لئے معاہدہ کیا گیا ورنہ ماں بہن کی گالیاں تو وہ پہلے بھی نہیں دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ میں اور مولوی محمد علی صاحب میں سے کس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ دونوں جماعتوں میں سے کونسی جماعت نے اس کے مفہوم کے خلاف عملدرآمد کیا اور اخبارات میں سے کس نے اسے پسِ پُشت ڈالا۔ ان باتوں کا جو بھی فیصلہ ثالث کرے وہ خواہ غلط ہو یا صحیح دونوں فریق اسے تسلیم کریں اور جس کی زیادتی ثابت ہو وہ دوسرے سے معافی مانگے۔

دوسرا فریق بھی اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ چونکہ جمگھٹے میں بسا اوقات ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جن سے فساد کے اور بھی بڑھ جانے کا امکان ہوتا ہے اس لئے میرے خیال میں یہ طریق بہت بہتر ہے کہ ایک ایک وکیل ہی دونوں طرف سے پیش ہو۔ اس کے بعد ثالث کے دل میں جو خدا تعالیٰ ڈالے وہ فیصلہ کر دے۔ اس موضوع پر دوبارہ خطبہ بیان کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ اس بات کو واضح کر دوں کہ یہ معاملہ کس قسم کا ہے تا کہ کوئی شخص غلطی سے اسے کوئی دینی مسئلہ نہ سمجھ لے نہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دینی مسئلہ کے متعلق ثالث کے تقرر کو کبھی پسند کیا اور نہ ہی یہ کوئی دینی مسئلہ ہے جس کا فیصلہ ثالث کا کیا ہوا میں منظور کر رہا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن امور کے فیصلہ کے لئے ثالث مقرر کرنے کا اعلان کیا وہ تمام دنیوی علوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس نہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے اور نہ ہی میرا یہ فعل قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور میرا یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایسا کرنا ہرگز ہرگز اس بات کے لئے بطور حُجت پیش نہیں کیا جا سکتا کہ دینی مسائل کا فیصلہ بھی ثالث کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ پھر اس لئے بھی کہ اگر ہماری جماعت میں سے کسی کے خلاف فیصلہ ہو تو وہ معافی مانگنے کے لئے تیار رہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اگر ثالث فیصلہ نہ بھی کرے تو بھی اگر کسی نے زیادتی کی ہو تو اسے معافی مانگ لینی چاہئے۔ مجھے تو اگر ذرہ بھی شُبہ ہوتا تو میں ایسے ہی انشراحِ صدر سے معافی مانگ لیتا جس طرح سے کہ حج یا نماز ادا کی جاتی ہے اور اسے اپنی ہتک ہرگز نہ سمجھتا بلکہ خدا تعالیٰ کی عبادت یقین کرتا۔

اس کے بعد میں دعا کرتا ہوں اور دوستوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ ان فِتن کو جو سلسلہ کی ترقی کے راستہ میں روک ہیں دور کر دے اور دلوں سے کدورتوں کو نکال کر ایسے مصفّٰی آئینہ کی طرح کر دے جس پر ذرّہ بھی گرد و غبار نہیں ہوتا۔ اگر احمدیت کو قبول کر کے بھی ہم نے کینہ کپٹ[4] اور بُغض و عِناد ہی حاصل کیا تو یقیناً یہ ایک مہنگا سودا ہے جس سے نہ خدا ہی راضی ہوا اور نہ دنیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ذلت سے بچائے آمین۔

(الفضل ۱۲۔ فروری ۱۹۲۹ء)

---

۱؎ سیرت ابن ہشام عربی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲؎ اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد ۲ صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ

۳؎ سیرت ابن ہشام عربی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۴؎ کینہ کپٹ: بُغض و عِناد